بندہ مومن کے زوال کے اسباب اور ان کا تدارک نظم "ابلیس کی مجلس شوری" کے تناظر میں

The Causes of the fall of the Believer and Their Remedies in the Context of the Poem "*Iblis ki Majlis e Shura*"

Bibi Tania, Ph.D.

Sardar Bahadur Khan Women University, Quetta, Pakistan

taniabibi79@gmail.com

Abstract

The contemporary Muslim world is confronted with intellectual stagnation, political instability, and moral decline, placing it at a disadvantage compared to other nations. In this context, the philosophical and poetic insights of Allama Muhammad Iqbal provide a critical framework for analyzing the causes of the decline of the Muslim Ummah. This study examines the causes of the fall of the believer (Mard-e-Momin) and proposes their remedies through a focused analysis of Iqbal's poem "Iblis ki Majlis-e-Shura." It explores Iqbal's critique of political systems, spiritual decay, and intellectual deviations within the Muslim world. The study employs a qualitative, document-based methodology, drawing primarily on Iqbal's poetic works in Urdu and Persian, alongside relevant secondary sources. A thematic and interpretive analysis is conducted to identify key concepts related to decline and revival. The findings reveal that Iqbal attributes the decline of the Muslim Ummah to interconnected factors, including blind imitation of Western political systems, intellectual stagnation, misinterpretation of destiny (taqdeer), decline in spiritual vitality, and the influence of scholastic theology and pseudo-mysticism. The study also highlights Iqbal's critique of capitalism, his conditional appreciation of socialism, and his emphasis on Khudi (selfhood), action, and moral responsibility. The study concludes that revival lies in returning to the Qur'an and implementing Shari'ah, alongside fostering Khudi, Ijtihad, and active engagement with the world. Iqbal's thought offers a comprehensive framework for intellectual, spiritual, and political regeneration in the modern Muslim world.

Keywords: Muslim Ummah, Iqbal's Theories, Democracy, Dictatorship, *Shariyat e Mohammadi*, *Khudi*

کلیدی الفاظ: مسلم امہ، اقبال کے نظریات، جمہوریت، آمریت، شریعت محمدیؐ، خودی۔

اکیسویں صدی تک آتے آتے مسلمان دیگر اقوام کے مقابل پس ماندگی کا شکار ہو چکے ہیں۔ کئی اسلامی ممالک پر غیر مسلم طاغوتی قوتوں نے جنگ مسلط کر رکھی ہے۔ مثلاً ایران، فلسطین، سوڈان، یمن، افغانستان، لبنان اور پاکستان سمیت دنیائے اسلام کے تمام ممالک مشکل دور سے گزر رہے ہیں۔ عالم اسلام پر فکری لحاظ سے جمود طاری ہو گیا ہے۔ امت ناامید اور دل برداشتہ ہے۔ ایسے میں ضرورت اس امر کی ہے کہ دانش وران ملت کے افکار ہائے نمایاں سے مسلم اذہان پر از سر نو کاری ضربیں لگائی جائیں۔ ڈاکٹر علامہ محمد اقبال کے نظریات اور افکار مسلم امت کے عروج و زوال کا ٹھوس تجزیہ پیش کرتے ہیں۔ نظم "ابلیس کی مجلس شوریٰ" اس ضمن میں خصوصیت کے ساتھ قابل ذکر ہے، جس میں علامہ نے مسلم دنیا کے زوال کی وجوہات اور ان کے تدارک کا تجزیہ حکیمانہ نکتہ نگاہ سے کیا ہے۔ علاوہ ازیں انہوں نے عالمی نظام سیاست کے تاریک پہلو بے نقاب کر کے جمہوریت، ملوکیت، آمریت اور فسطائیت کے متعلق اپنے افکار اعلیٰ بیان کر کے نظم کی جامعیت اور اہمیت میں اضافہ کیا ہے۔

طریقِ تحقیق

مذکورہ مقالے میں طریق تحقیق دستاویزی نوعیت کی ہے۔ جس میں اقبالؒ کی نظم "ابلیس کی مجلس شوری" کے علاوہ ان کے دیگر مجموعہ کلام سے ایسی شاعری کا انتخاب کر کے افہام و تفہیم کے مراحل طے کیے گئے ہیں، جن میں مسلمانوں کے زوال کے اسباب بتائے گئے ہیں۔ یہ علامہ محمد اقبال کی شاعری کا خاصہ ہے کہ انہوں نے عالمی نظام سیاست کے تاریک پہلوؤں کی بارہا نشاندہی کی ہے۔ مختلف دستاویزات سے ان کی ایسی تخلیقات کو یک جا کر کے جانچا گیا ہے تا کہ عالمی سیاست کا مکروہ چہرہ بے نقاب ہو سکے۔

مقاصدِ تحقیق

1. موجودہ عہد میں بندہ مومن کے زوال کے اسباب کا کلام اقبالؒ کی روشنی میں جائزہ لینا۔
2. علامہ محمد اقبالؒ کے سیاسی نظریات کی تفہیم کرنا۔
3. کلام اقبالؒ کی روشنی میں ان اسباب کا تدراک بیان کرنا، جو زوال مسلم کی اہم وجہ ہیں۔
4. تصوف، الہیات، اور علم الکلام جیسے عالم گیر موضوعات پر فکر اقبالؒ کا تجزیہ کرنا۔

تحقیقی سوالات

1. نظم "ابلیس کی مجلس شوری" میں علامہ محمد اقبالؒ نے مغربی نظام سیاست پر تنقید کیوں کی ہے؟
2. مسلم امہ کی نجات قرآن حکیم اور شریعت محمدیؐ کی پیروی میں کیوں ہے؟
3. اقبالؒ کے نقطہ نگاہ میں اشتراکیت، آمریت، جمہوریت، ملوکیت اور فسطائیت میں کیا فرق ہے؟
4. "الہیات" کے لغوی و اصطلاحی معنی کیا ہیں اور اقبالؒ مسلم امت کے عروج و ترقی کی راہ میں اسے حائل کیوں سمجھتے ہیں؟

5. اقبالؔ تصوف کے کن کن پہلوؤں سے نالاں تھے اور کیوں؟

6. دورِ جدید کے مسلمانوں کے فکری انحطاط کا محاکمہ کن عوامل کی تقلید سے ممکن ہے؟

7. ابلیس مردِ مومن کی ایمانیات کے جذبے سے کیوں خوفزدہ ہے؟

"ابلیس کی مجلس شوری" اقبال کے مجموعہ کلام "ارمغان حجاز" کے حصہ اردو کی اولین نظم ہے۔ اس مجموعے کی اشاعت نومبر 1938 میں عمل میں لائی گئی جو فنی و فکری حوالے سے اقبالؔ کی شاعری کی انتہا ہے۔ جس میں شاعرانہ عظمت بھی ہے، فکر واستدلال بھی اور سوز و گداز بھی۔ ارمغان حجاز کا حصہ فارسی رباعیات اور قطعات پر مشتمل ہے۔ اس مجموعے میں جو رمزیت اور گہرائی ہے، اس کے متعلق عبدالسلام ندوی "اقبال کامل" میں لکھتے ہیں:

"ایک پاک جذبہ اس کی تصنیف کا محرک ہوا یعنی انھوں نے 1937ء میں فریضہ حج ادا کرنے کی جو تیاریاں شروع کیں ان کے سلسلے میں وفورِ شوق نے ان کے دل کے درد بھرے ساز کو چھیڑا اور ان کی زبان جوش و مستی میں ترنم ریز ہونے لگی اور طبیعت میں آمد کا وہ زور پیدا ہوا کہ رباعیوں پر رباعیاں موزوں ہوتی چلی گئیں۔"(1)

نظام ابلیست کے فکری عوامل

اس نظم کے کئی فکری عوامل ہیں جس میں اہمیت نظام ابلیسیت کو حاصل ہے۔ ابلیس اور اس کے قائم کردہ نظام کو شاعر نے، اخلاقی اقدار، تقلید مغرب، سیاست، مادیت، عقائد اور ایمانیات، مسلہ جبر و قدر، مطلق العنانی اور مغربی استعماریت جیسے موضوعات کے تحت کھل کر واضح کیا ہے۔ یہی وہ نظام ہے جس کے منفی اثرات نے عالم اسلام کو فکری طور پر غلام بنادیا اور اقبالؔ کو یہ کہنے پر مجبور کیا:

از غلامی مرد حق زنار بند
از غلامی گوہرش نا ارجمند(2)

ترجمہ: غلامی کی وجہ سے مسلمان (مرد حق) بھی کافر (زنار بند) ہو جاتا ہے یعنی کافروں کی سی زندگی بسر کرنے پر مجبور ہو جاتا ہے اور سرفروشی کے بجائے ہر وقت اپنی جان بچانے کی فکر میں مصروف رہتا ہے، موت کے نام سے لرزہ براندام ہو جاتا ہے۔

اسی موضوع پر "مذہب غلاماں" کا عنوان قائم کر کے سخن طراز ہیں:

گرچہ بر لبہای او نام خداست
قبلہَ او طاقت فرمانرواست(3)

ترجمہ: اگرچہ وہ زبان سے اسلام کا دعوی کرتا ہے اور نماز بھی پڑھتا ہے لیکن دراصل اس کا معبود اللہ نہیں ہوتا بلکہ قبلہ اوطاقت فرمانرواا ست

ملوکیت خدائی قانون کی ضد

نظم "ابلیس کی مجلس شوری" میں کئی ایسے نکات ابھرتے ہیں، جنہیں اقبالؔ نے ابلیسی نظام کا حصہ بنا کر پیش کیا ہے اور جو بندہ مومن کے زوال کے بنیادی اسباب بھی ہیں۔ شاعر نے ابلیس کے قائم کردہ نظام میں بہ لحاظ ترتیب سب سے پہلے "ملوکیت" کا ذکر کیا ہے۔ ملوکیت شخصی طرز حکومت کو کہتے ہیں جس کی نوع آمرانہ ہوتی ہے اور اس کی ضد جمہوریت ہے۔ ملوکیت یعنی بادشاہی نظام پر شعر وادب میں لکھا جاتا رہا ہے۔ کبھی انعام و کرام پانے کے لیے قصیدہ گوئی کی شکل میں تو کبھی فارسی میں شاہ ناموں کی صورت میں یا پھر مثنویوں میں۔ ان اصناف شاعری کا تعلق ہی مدحِ شاہی سے ہے۔ البتہ اقبالؔ نے اپنی شاعری میں بادشاہوں کی تحسین نہیں کی بلکہ ان پر تنقید کی ہے۔ بادشاہ کے لیے انہوں نے نرد باز، موٹابدن اور دھوکے باز جیسے استعارات برتے ہیں۔ اس کائنات کا فردِ بے مثال، مردِ حق کے درجے پر فائز ہی تب ہوتا ہے جب وہ اس دنیا کے واحد بادشاہ، اللہ تعالیٰ کی ذات کو تسلیم کرے گا، اور اس امر پر اعتقاد قائم رکھے گا کہ یہ زمین صرف اللہ کی ہے اور اسی کی بادشاہی اس پر چلے گی۔ انسان تو ناحق جغرافیائی لحاظ سے منقسم زمین کے ٹکڑوں کے لیے لڑتا ہے، یہ سوائے نادانی کے اور کچھ بھی نہیں۔ ملوکانہ طرز سیاست پر غور کیا جائے تو ہر زمانے کے شاہوں نے اپنی مملکت کی جغرافیائی حدود کو بڑھانے کے لیے انسانوں کا خون بہایا ہے، جس کا حاصل وصول کچھ بھی نہیں سوائے اس کے کہ دنیا کو ظلم کی ترغیب دی گئی اور بدترین تاریخ رقم کی گئی۔ جب کہ اس زمین کی حقیقی بادشاہت صرف اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے۔

مسلمانوں میں موروثی حکومت کی ابتدا

ملوکیت کا نظام مغربی استعماریت کا پیدا کردہ ہے مگر اس کے اثرات نے اسلامی نظام سیاست کو بھی متاثر کیا۔ اسلامی ریاست میں اولین سیاست کا نمونہ حضور کے بعد خلفائے راشدین کا ہے۔ اس دور میں شخصی حکومت کا تصور تھا نا موروثی سیاست کا۔ لیکن صرف تیس سال کے بعد اسلام میں موروثی حکومت کے جراثیم داخل ہوئے جو آج تک قائم ہیں۔ مطلق العنانی، جسے اہل مغرب نے روشناس کرایا، آج تک دنیا میں بدامنی پھیلانے کا باعث ہے۔ ملوکیت کے مقابلے میں جمہوری طرز سیاست پوری دنیا اور عالم اسلام کے لیے زیادہ موثر ثابت ہو سکتا تھا۔ زوال پذیر معاشرت کے لیے جمہوری طرز سیاست میں نجات ممکن تھی مگر اقبالؔ جمہوریت سے بھی نالاں نظر آتے ہیں۔ جیسا کہ ان کے درج ذیل شعر سے آشکار ہے:

ہُوں، مگر میری جہاں بینی بتاتی ہے مجھے
جو ملوکیّت کا اک پردہ ہو، کیا اُس سے خطر!

ہم نے خود شاہی کو پہنایا ہے جمہوری لباس
جب ذرا آدم ہُوا ہے خود شناس و خود نگر (4)

جمہوری نظام کی حقیقت

ہمارا جمہوری نظام بھی شاہی نظامِ حکومت کا لبادہ اوڑھے ہوئے ہے۔ جمہوریت کی آڑ میں طاغوتی طاقتیں کارفرما ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ معاشرہ روبہ زوال ہے۔ انہی خیالات کا اظہار اقبالؒ نے نظم "خضر راہ" میں بھی کیا ہے۔ "ضرب کلیم" میں نظم "جمہوریت" میں اپنے افکار کچھ اس طرح سے آشکار کرتے ہیں:

اس راز کو اک مردِ فرنگی نے کیا فاش
ہر چند کہ دانا اسے کھولا نہیں کرتے
جمہوریت اک طرزِ حکومت ہے کہ جس میں
بندوں کو گنا کرتے ہیں، تولا نہیں کرتے!(5)

تقدیر کے فہم میں غلطی

"زوال بندہ مومن کا بے زری سے نہیں" بلکہ اس کی وجہ بے عملی ہے۔ نظم "ابلیس کی مجلس شوریٰ" میں شاعر مشرق بہ زبانِ ابلیس فرماتے ہیں:

میں نے ناداروں کو سکھلایا سبق تقدیر کا
میں نے مُنعِم کو دیا سرمایہ داری کا جُنوں (6)

اس شعر میں شاعر کا تصور تقدیر آشکار ہے۔ اقبالؒ کے خیال میں انسان تسخیرِ کائنات میں اپنا حصہ ڈال کر اس کی تقدیر رقم کرے نا کہ پابہ گل ہو کر تقدیر کی شکایت کرتا پھرے۔ وہ تقدیر کو حکم الہیٰ تسلیم کرتے ہیں لیکن خودی کی تربیت سے انسان اپنی تقدیر کو بھی بدل سکتا ہے۔ اس کا تعلق حرکت اور عمل سے ہے۔ جیسا کہ وہ فرماتے ہیں:

تری خودی میں اگر انقلاب ہو پیدا
عجب نہیں ہے کہ یہ چار سُو بدل جائے (7)

ڈاکٹر یوسف حسین خان "روحِ اقبال" میں لکھتے ہیں:

"انسانی خودی اور اس کی تقدیر کا گہرا تعلق ہے۔ اگر انسان نفس کی ترتیب و تہذیب میں ان اصولوں کو ملحوظ رکھے جس سے اس کی اندرونی صلاحیتیں ابھرتی ہیں تو وہ اپنی تقدیر کا مالک بن سکتا ہے۔ یعنی فطرت اور اپنی ذات کے تعنیات سے ماوراجا سکتا ہے۔ وہ اس مرتبے تک پہنچ سکتا ہے جہاں خود ذات واجب تعالیٰ اس کی تقدیر کو معین کرنے سے پہلے اس کی مرضی دریافت کرے گی۔"(8)

افسوس اس بات کا ہے کہ مسلمان یہ سمجھتے ہیں کہ ان کے زوال کی وجہ تقدیر ہے۔ان کی تقدیر میں "مار پڑنا" لکھ دیا گیا ہے۔ عملی زندگی میں بے حرکت و عمل، بے جان اور مایوسی میں گھرے مسلمانوں سے اقبالؒ اپنی ایک رباعی میں شکوہ کرتے ہیں:

ترے دریا میں طوفاں کیوں نہیں ہے
خودی تیری مسلماں کیوں نہیں ہے
عبَث ہے شکوۂ تقدیرِ یزداں
تو خود تقدیرِ یزداں کیوں نہیں ہے؟(9)

تقدیر کو موردِ الزام ٹھہرانے جیسے عمل سے اقبالؒ اتنے بیزار اور گریزاں ہیں کہ نظم "تقدیر" میں ابلیس اور خدا کے درمیان مکالمے میں وہ ابلیس کی تاویل کو ٹھکرا دیتے ہیں جس میں ابلیس کہتا ہے کہ:

ہاں، مگر تیری مشیّت میں نہ تھا میرا سجود (10)

ابلیس کا آدم کو سجدہ نا کرنے کا عمل تقدیرِ الٰہی نہیں بلکہ اس کی پستی فطرت اور تکبر ہی تھا، جس نے اسے راندہ درگاہ کیا۔اقبالؒ بے عملی کو ابلیسی نظام کا ایک مہرہ تسلیم کرتے ہیں۔ابلیس کئی حوالوں سے موضوعِ بحث ہے وہ ذات حق کا منکر، غرور و تکبر کا منبع اور شر و فساد کا ماخذ ہے۔اقبالؒ نے مقام ابلیسیت کو اپنی اردو اور فارسی شاعری میں مختلف اسالیب سے بیان کیا ہے۔ مثلاً یہ کہ وہ "خواجہ اہل فراق" ہے یعنی فراق ابدی کا شکار ہے۔اقبال اپنی نظموں "تسخیر فطرت"، "جبرئیل و ابلیس"، "اغوائے آدم"، "بگو ابلیس را" میں ابلیسیت کے متعلق اپنے تصورات پیش کرتے ہیں جو موضوع کے اعتبار سے متنوع ہیں۔ابلیس اپنی تمام حیثیتوں میں شر کا باعث ہے مگر اس کا سب سے خطرناک حملہ ابنِ آدم پر یہ ہے کہ وہ بے عملی پیدا کرتا ہے۔ڈاکٹر ظہیر احمد صدیقی "علامہ اقبال اور فارسی زبان و ادب" میں لکھتے ہیں:

"ابلیس انسان کو ظلم و گناہ پر آمادہ ہی نہیں کرتا بلکہ اسے ترکِ دنیا، کاہلی اور بے کاری کی بھی ترغیب دیتا ہے۔ علامہ اقبال کی نظر میں شر اور شیطانیت فقط یہی نہیں ہے کہ انسان ظلم اور بربریت اختیار کرے اور فسق و فجور میں مبتلا ہو جائے، بلکہ شر و شیطانیت یہ بھی ہے کہ انسان کوئی کام نا کرے اور کاہل اور بے کار ہو جائے یا دنیا کو ترک کر دے"(11)

کاہلی بہ ذات خود ایک بیماری ہے لہذا جب تک مسلمان اپنی حالت کو سدھارنے کے لیے جد وجہد نہیں کریں گے یونہی زوال پذیر رہیں گے۔

نظم "ابلیس کی مجلس شوری"مسلمانوں کی بشری و روحانی کمزوری پر ایک گہرا طنز ہے جو کہ فکری رہنمائی کا حق بھی ادا کرتی ہے۔ نظم میں پہلا مشیر مسلمانوں کی بے روح نماز پر طنز کرتا ہے:

ہے ازل سے ان غریبوں کے مقدّر میں سجود
ان کی فطرت کا تقاضا ہے نمازِ بے قیام(12)

مسلمان عبادت کی اصل لذت سے ناآشنا ہیں۔ خدا کے حضور بس حاضری لگانا ان کا مقصد ہے تا کہ یہ دعویٰ کر سکیں کہ ہم عبادت کرتے تھے۔ عبادت میں خود سپردگی کا عنصر مفقود ہے۔اس لیے ان کے عمل میں وہ تاثیر نہیں جس سے ولولہ اور شوق پیدا ہو سکے۔ مسلمان ارکانِ اسلام کی پیروی کرتے ہوئے طواف و حج کرتے ہیں لیکن اللہ کے گھر کا دیدار بھی ان میں گرمیٔ افکار پیدا نہیں کرتا۔ یہی وجہ ہے کہ وہ اپنی حالت سدھارنے کے لیے عملی اقدام نہیں کرتے۔ جہاد جیسے فریضے سے دور ہوتے جا رہے ہیں۔

ہے طواف و حج کا ہنگامہ اگر باقی تو کیا
کند ہو کر رہ گئی مومن کی تیغِ بے نیام (13)

آج کل کے مسلمان اپنی وحدت کا اظہار حج، روزے اور زکوٰۃ کی ادائیگی سے کرتے تو ہیں مگر ابلیسی نظام کے لیے یہ بھی خطرے کی علامت نہیں۔ کیوں کہ اب یہ عبادات صرف رسم کے طور پر نبھائی جاتی ہیں۔ لہذا اب جہاد کے جذبے سے محروم مسلمان چہار اطراف سے مشکل میں پھنسے ہوئے ہیں۔

بندہ مومن کے زوال کی وجہ یہ ہے کہ وہ قرآن کے علم سے بیگانہ ہے۔اس نے قرآن کو چھوڑ کر مغرب کی تقلید میں سرمایہ داری کو اپنا مذہب بنا لیا ہے۔ قرآن سر چشمہ حیات ہے۔ آج ہمارے پاس کئی ایسی مثالیں موجود ہیں کہ غیر مسلموں نے قرآن کا مطالعہ اس غرض سے کیا کہ نعوذ باللہ اس میں نقائص کی نشاندہی کریں گے مگر اس کوشش میں ناکام ہو کر انہوں نے اسلام قبول کر لیا۔اقبالؒ نے قرآن حکیم کی عظمت کا اعتراف مختلف اسالیب سے کیا ہے۔ رموز بے خودی میں وہ قرآن کو ایک زندہ اور کبھی نا مٹنے والی کتاب مانتے ہیں۔ زوال پذیر مسلم معاشرے کے لیے ان کے یہ اشعار بہت انمول اور سبق آموز ہیں:

نسخہ ی اسرار تکوین حیات
بی ثبات از قوتش گیرد ثبات(14)

مطلب: چوتھی صفت اس کتاب کی یہ ہے کہ اگر کوئی شخص یا قوم اس کی تعلیمات پر عمل کرے تو اس میں رنگ ثبات پیدا ہو سکتا ہے۔ یہ مصرعہ بہت بلیغ اور وسیع المعانی ہے۔ یعنی (1) گمنام قوم، قعرِ مذلت و گمنامی سے نکل کر دنیا میں سروری حاصل کر سکتی ہے۔ (2) کمزور قوم اس کی بہ دولت طاقتور ہو سکتی ہے۔

قرآن کریم کی برکت سے کمزور اور بے وقعت شخص بھی پائیداری اور قوت حاصل کر لیتا ہے۔ یہ اس کتاب کا معجزہ ہے کہ اسے سمجھ کر پڑھنے والا کبھی زیر نہیں ہوتا۔ لہذا پستی اور زبوں حالی سے نکلنے کا واحد راستہ اس کتاب کے احکامات پر عمل پیرا ہونا ہے۔

گر تو می خواہی مسلماں زیستن
نیست ممکن جز بہ قرآں زیستن(15)

مطلب: آخر میں اقبال مسلمان کو اس حقیقت سے آگاہ کرتے ہیں کہ اگر تو ہندو (مشرک) یا انگریز کی حیثیت سے زندگی بسر کرنا چاہتا ہے تو شوق سے شخصیت پرستی، آثار پرستی، تابوت پرستی، دلدل پرستی، قبر پرستی اور روایت پرستی میں مستغرق رہ یا شوق سے دولت مشترکہ کے دامن سے وابستہ رہ۔ لیکن اگر تو مسلمان کی حیثیت سے اس دنیا میں میں زندہ رہنے کا آرزومند ہو تو ایک ہی صورت ہے اور وہ یہ ہے کہ قرآن حکیم کو اپنا رہنما اور دستور حیات بنا لے۔ اور اس دستور میں نا کسی قسم کی کمی روا رکھ نا بیشی۔ یہ مطلب ہے "جز بقرآن" کا۔

علماء اور صوفیہ کا مسلمانوں کے زوال میں کردار

نظم "ابلیس کی مجلس شوری" میں اقبالؔ مسلمانوں کی زوال پذیری کے بنیادی اسباب میں سے ایک سبب مسلمان علما و رہنماؤں کی نااہلی کو بھی سمجھتے ہیں۔

جانتا ہُوں میں کہ مشرق کی اندھیری رات میں
بے یدِ بیضا ہے پیرانِ حرم کی آستیں(16)

علما اور صوفیا کو اپنا کردار بہ خوبی نبھانا ہو گا تا کہ مسلم معاشرہ از سر نو حیات جاوداں حاصل کر سکے۔ نظم میں ابلیس اپنے مشیروں کو تاکید کرتا ہے کہ مسلمانوں کو تصوف کی ان تعلیمات میں الجھا دو جو بے عملی پیدا کرتی ہیں۔ اقبالؔ تصوف کے خلاف نہیں تھے مگر نظم میں ان کا اشارہ تصوف کے ان نظریات کی طرف ہے جس سے خودی مجروح ہو۔ اسلامی تصوف میں غیر اسلامی رویے اور اعتقادات داخل نا ہوں اس کے لیے ضروری ہے کہ تصوف اور روحانیت کے درمیان فرق کو سمجھا جائے۔ روحانیت کا تصور تمام حامی و سامی مذاہب میں موجود ہے، جس کی خصوصیات بھی سب میں یکساں ہیں مثلا

پرہیز گاری، نیکی، صبر، تحمل، حلال کا تصور، صدق، عفو و در گزر اور ضبطِ نفس۔ غرض یہ کہ تمام اعلیٰ بشری اوصاف روحانیت کا حصہ ہیں۔ لیکن اسلامی تصوف کا تصور شریعت کے بغیر ناممکن ہے۔ اسلامی تصوف میں اگر غیر اسلامی روایات داخل ہوں گے تو یہ ابلیس کی تقلید میں شمار ہو گا اور ایسے صوفی سے اقبال کا کھلم کھلا جھگڑا ہے۔ اقبالؔ کو صوفیا اور تصوف سے کوئی بیر نا تھا۔ اگر ایسا ہوتا تو مولانا روم ان کے استاد نہ ہوتے اور یورپ جانے سے قبل وہ حضرت نظام الدین اولیا کے مزار پر جا کر دعائیہ نظم "التجائے مسافر" نہ پڑھتے۔ اسلامی تصوف کو قرآنی احکامات سے فرو گزاشت نہیں کرنا چاہیے، اگر ایسا ہوا تو رہبانیت، ویدک، بدھ مت، جین مت اور یہودیت کی روحانیت اور ایک مسلمان کی روحانیت میں فرق مٹ جائے گا۔ طریقت اگر شریعت کے اصولوں پر کاربند رہے تو اقبالؔ کے فلسفہ خودی کی راہ میں رکاوٹ نہیں بنے گی۔ ڈاکٹر رابعہ سرفراز "جہات فکر اقبال" میں رقم طراز ہیں: "اقبال اپنے نظریہ خودی کے مطابق ایسے ہر ایک نظریے کے مخالف ہیں جس سے خودی ضعیف ہو، انسان حرکت اور عمل کی بجائے جمود آشنا ہو اور انسان ترک دنیا کی طرف مائل ہو"۔(17)

تصوف کے علاوہ اقبالؔ "علم الکلام" کو بھی قوالی سے کم تر خیال نہیں کرتے۔ علم الکلام کے ذریعے اسلامی عقائد کی توضیح عقلیت اور سائنسی بنیادی پر کی گئی اور اس کی ضرورت اس لیے پڑی کہ عجمی اور مغربی فلسفے کے یلغار نے مسلمانوں کے بنیادی عقائد کو کمزور بنا دیا تھا۔ مسلمان گمراہی کا شکار ہو رہے تھے۔ مسلمانوں کے بنیادی عقائد میں اختلال نے سر سید اور شبلی نعمانی جیسے اکابرین کو مجبور کیا کہ وہ تفسیر القرآن اور علم الکلام جیسی کتابوں کے ذریعے عقلی بنیادوں پر اسلامی عقائد کا دفاع کر سکیں۔ خاص طور پر اس ضمن میں شبلی نعمانی کی خدمات قابل ذکر ہیں۔ "علم الکلام اور الکلام" از شبلی نعمانی کا یہ اقتباس ان کی علمی و تحقیقی اہمیت کا ثبوت ہے۔ "ان کی اس تصنیف کے ذریعے اسلام کے بنیادی عقائد کو علم و فکر اور عقلیت کی روشنی میں سمجھا جا سکتا ہے۔"(18)

اقبال علم الکلام کے ناقد

مسلمان معلمین و مفکرین میں امام غزالی، رازی اور امام اشعری نے اسلام میں علم الکلام کی بنیاد رکھی۔ شبلی نعمانی بھی انہی اکابرین سے متاثر تھے۔ علما کی اس فہرست میں علامہ اقبالؔ کا نام بھی شامل کیا جاتا ہے۔ تاہم محققین ان کے اس رویے پر معترض بھی ہیں کہ علامہ اقبالؔ ایک طرف علم الکلام اور تشکیل جدید الٰہیات اسلامی کی دعوت بھی دیتے ہیں اور دوسری طرف اس کی مخالف کرتے ہوئے بہ زبان ابلیس علم الکلام کو "قوالی" بھی کہتے ہیں۔ سید علی عباس جلال پوری "اقبال کا علم الکلام" میں لکھتے ہیں۔ "وہ تشکیل جدید الٰہیات اسلامیہ جیسے سیر حاصل خطبات بھی مرتب کرتے ہیں اور اشعار میں الٰہیات اور علم الکلام کی ضرر رسانی اور بے ثمری کا ذکر بھی کیے جاتے ہیں۔"(19)

اقبالؔ علم الکلام سے نالاں بھی ہیں اور جدید علم الکلام کے بانی بھی سمجھے جاتے ہیں۔ اقبالؔ علم الکلام کے جن پہلوؤں سے نالاں تھے وہ درج ذیل ہیں۔

1. مذہب یا دین اسلام کو عقل و سائنسی بنیادوں پر ثابت کرنے کے لیے فلاسفہ کی تقلید کرنے کے بجائے قرآن و سنت کی طرف رجوع کرنا چاہیے۔ تقلید کا عمل اس ضمن میں مفید نتائج پیدا نہیں کر سکے گا۔
2. علم الکلام میں امور کائنات کے مباحث میں اختیار کی نسبت جبر کا فلسفہ حاوی ہے۔ خدائے لازوال کے لیے مہربان سے زیادہ ظالم کا عقیدہ استوار ہے۔ فلسفے کا یہ تشکیکی پہلو قرآن کریم کی تعلیمات سے مطابقت نہیں رکھتا۔ علم الکلام کا یہی وہ بنیادی پہلو ہے جس نے مومن کو ایمان سے صوفی کو فقر سے اور عابد کو عبد سے دور کر دیا ہے۔
3. علم الکلام عقلیت پر دلالت کرتا ہے جب کہ اقبالؒ عقل کی رہبری سے زیادہ عشق کی پیغمبری پر اعتقاد رکھتے ہیں۔
4. زمان و مکان کا فلسفہ علم الکلام کے بنیادی مباحث میں شامل ہے مگر خدائے لازوال کو زمان و مکاں کے حدود و قیود میں قید نہیں کیا جا سکتا۔ خدا کے پیغمبر و رسولؐ کا واقعہ معراج زمان و مکان کے حدود سے بالا تر ہے تو پھر خدائے مطلق کو اس فلسفے کے سانچے میں کیونکر ڈھالا جا سکتا ہے۔ اسی طرح روح، وحی اور آخرت بھی عقائد و ایمانیات کے ایسے معاملات ہیں جنہیں زمان و مکان اور استدلال کے پیمانوں پر ناپا نہیں جا سکتا۔ مغربی مفکرین میں نو فلاطینوس، کانٹ، ہر برٹ اسپنسر اور برگساں بھی وجود مطلق تک رسائی کے لیے عقل کل پر اکتفا نہیں کرتے۔ خلیفہ عبدالحکیم "حکمت رومی" میں لکھتے ہیں کہ :

> "عقل کے آلات ہی اس قسم کے ہیں کہ زمان و مکان کی لا متناہی، اعراض کے جواہر، آغاز و انجام حیات، کسی گھتی کو بھی سلجھانے میں ان کو استعمال کریں تو وہ قطعاً بے کار ثابت ہوتے ہیں۔"(20)

5. مذہب عملی کاوش کا نام ہے، محض منطق اور دلیل کے پیمانوں پر پرکھنے کا نہیں۔ اقبالؒ قدیم علم الکلام کے فلسفیانہ موشگافیوں کو اسلامی عقائد کی پرکھ کے لیے ناکافی خیال کرتے تھے۔ اس لیے وہ چاہتے تھے کہ جدید علم الکلام کی بنیاد ڈالی جائے۔ خود اقبالؒ نے اس ضمن میں اپنے خطبات "تشکیلِ جدید الٰہیات اسلامیہ" میں جدید علم الکلام کی طرف پیش رفت کی ہے۔
6. اقبالؒ کے افکار میں فرد اس کی اہمیت، افادیت، امورِ کار اور خودی کی بڑی اہمیت ہے۔ ان عوامل و موضوعات کا مخاطب ہی انسان ہے۔ علم الکلام اور الٰہیات کا منشا و مقصد ذات باری تعالیٰ، مذہب اور عقائد کی بحث ہے۔ اس کا موضوع انسان نہیں۔ اقبالؒ نظم "ابلیس کی مجلس شوریٰ" میں علم الکلام کو ابلیسی نظام کا حصہ اور بندہ مومن کے زوال کی وجہ قرار دیتے ہیں کیونکہ اس میں روحانی پہلو موجود نہیں، قرآن کے مفاہیم پر توجہ دینے کے بجائے فلسفیانہ موشگافیاں زیادہ ہیں۔ دین و مذہب کی عملی حیثیت کو اجاگر کرنے کے بجائے منطقی و استدلالی پیمانوں تک مخصوص کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ دور جدید میں اسلامی عقائد و ایمانیات پر شدید حملے کیے جاتے ہیں۔ غیر مسلمان اپنی بقا کے راستے میں اسلام اور مسلمان کو راہ کا کانٹا خیال کرتے ہیں۔ اس لیے دور جدید میں بھی علم الکلام کی ضرورت ہے لیکن نئے دور کے تقاضوں کو مد نظر رکھتے ہوئے جدید فکری رویوں کو اس علم کا حصہ بنایا جائے تو مثبت نتائج حاصل ہونے کے امکانات ہیں۔

سرمایہ دارانہ نظام پر تنقید

اقبال نے نظم میں سرمایہ دارانہ نظامCapitalist system کے متعلق بھی اپنے نادر خیالات کا اظہار کیا ہے۔ سرمایہ دارانہ نظام کا فروغ اسلامی نظام معشیت کی ضد ہے۔ کیونکہ سرمایہ جہاں جڑ پکڑ لے وہاں سود کا نظام از خود پروان چڑھتا ہے۔ جب کہ اسلام میں سود کو حرام قرار دیا گیا ہے۔ سرمایہ دارانہ نظام میں درویشی، فقر اور فغفوری کے پنپنے کے عناصر بالکل مفقود ہو جاتے ہیں اور ایک ایسا اقتصادی ڈھانچہ تشکیل پاتا ہے جس میں روحانیت کی بالکل گنجائی ش نہیں رہتی۔ اقبال کے بندہ مومن کی تشکیل میں فقر و درویشی کو اساسی اہمیت حاصل ہے۔ ایسا معاشی نظام جس کی جڑوں میں روحانیت کے مد مقابل مادیت شامل ہو، جو اخلاقی اقدار کو روند ڈالے، عوام الناس میں لالچ پیدا کرے، ان کے نزدیک قابل قبول ہے ہی نہیں۔ بندہ مومن کے زوال کا ایک سبب یہ ہے کہ آج مرد مسلمان سرمایہ داری کا شکار ہو کر است کی بھول بھلیوں میں دھنس کر رہ گیا ہے۔ یہی وجہ ہے مسلمان عالمی سطح پر مسلسل شکست و ریخت کا سامنا کر رہے ہیں۔ اس کے بر عکس اقبال اشتراکیت کو پسندیدگی کی نگاہ سے دیکھتے ہیں۔ یہاں تک کہ انہوں نے اس نظریے کے بانی کارل مارکس کو پیغمبر نا ہونے کے باوجود ایک ایسی کتاب کا خالق قرار دیا جو اقتصادی میدان میں رہنمائی کے فرائض انجام دے سکتی ہے۔ کارل مارکس نے نجی ملکیت کی بجائے اجتماعی ملکیت پر زور دیا۔ ان کا پیش کردہ اقتصادی نظام، سرمایہ دارانہ نظام کے لیے موت کا پیام ثابت ہو سکتا ہے۔ اقبال، اشتراکیت کو انسانیت کے لیے نجات دہندہ سمجھتے ہیں۔ مگر افسوس کہ سرمایہ داری کے پجاری اس اقتصادی نظام کی راہ میں حائل ہیں۔ اشتراکیت کا خواب بہت خوش گوار ہے مگر اس کے عملی نفاذ میں سب سے بڑی رکاوٹ سرمایہ دارانہ نظام ہے، جو کبھی یہ نہیں چاہے گا کہ انفرادی و نجی ملکیت سے ہٹ کر اجتماعی مفادات کو مقدم سمجھا جائے۔

کیا علم الہٰیات کی ضرورت ہے؟

زوال بندہ مومن کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ مسلمان الہیات، کتاب اللہ کی تاویلات میں الجھے رہتے ہیں۔ الٰہیات دو الفاظ الٰہ اور یات کا مرکب ہے۔ جسے انگریزی میں Theology کہتے ہیں۔ تھیولوجی یونانی زبان کے دو الفاظ "تھیو" اور "لوجی" کا مرکب ہے۔ عربی میں الٰہ معبود یعنی خدا اور یات علم کو کہتے ہیں۔ یعنی ایک ایسا علم جس کا موضوع اللہ تعالیٰ کی ذات وصفات سے وابستہ ہو۔ لفظ تھیولوجی سے ثابت ہے کہ اللہ تعالیٰ کو جاننے، سمجھنے اور تلاش کرنے کا جذبہ انسان میں بہت پہلے سے موجود رہا ہے۔ انسان یہ جاننا چاہتا ہے کہ خالق جس نے یہ دنیا بنائی، اس میں انسان کے لیے ضرورت کی اشیاء فراہم کیں جس نے زمین و آسماں کو ایسے تخلیق کیا کہ خود سورۃ الملک میں رب ذوالجلال فرماتے ہیں کہ ترجمہ: "جس نے سات آسمان بنائے ایک کے اوپر دوسرا تو رحمٰن کے بنانے میں کیا فرق دیکھتا ہے تو نگاہ اٹھا کر دیکھ تجھے کوئی رخنہ نظر آتا ہے؟ پھر دوبارہ نگاہ اٹھا نظر تیری طرف پلٹ آئے گی۔" (21) ایسا رب جس کی تخلیق میں کوئی عیب نہیں آخر وہ ہے کیسا؟ انسان نے یہ محسوس کیا کہ اللہ کی ذات وصفات پر غور کرنے، اس کی عبادت کرنے اور اطاعت و

فرمانبرداری کے لیے اسے اچھے سے جاننا ضروری ہے۔ ڈارون کے نظریے کے مطابق ہر عمل کا ایک ردعمل ہوتا ہے۔ ایک منطقی سوال ہے کہ علم الہیات کی ضرورت کیوں پڑی؟ دراصل جیسے جیسے فلسفے نے ترقی کی دنیا عقلیت پسندی، روشن خیالی اور جدیدیت کی طرف بڑھنے لگی ویسے ویسے مذہب اس کی الہامی بنیادوں اور مابعد الطبیعاتی فلسفے پر شدید حملے ہونے لگے۔ تاہم یہ نکتہ بھی غور طلب ہے کہ اس طرز کے مباحث کا آغاز مسیحیت میں ہوا۔ لہذا اٹھارویں اور انیسویں صدی میں اس علم نے فروغ حاصل کرنا شروع کیا جس کا مقصد خدا کو سمجھنا، اس تک پہنچنا اور خدا کا مطالعہ ہے۔ کسی بھی چیز کے بارے میں جاننا، تجسس کا مادہ پیدا کرنا اور اس کی کھوج برا عمل نہیں ہے بلکہ تسخیر کو بہترین عمل قرار دیا جاتا ہے۔ خدا نے انسان کے لیے یہ کائنات بنائی تا کہ وہ اسے مسخر کر سکے۔ اقبال ؔکا مرد قلندر بھی تسخیر فطرت کے بغیر نیابت الٰہی کے درجے پر فائز نہیں ہو سکتا۔ لیکن تسخیر کائنات الگ موضوع ہے اور الہیات اپنے موضوعات و عوامل کے لحاظ سے بالکل مختلف علم ہے۔ خدا کے بارے میں انسان جتنی بھی کوشش کرے اب تک اتنا ہی جان پایا ہے جتنا اللہ پاک نے الہامی کتابوں میں اپنی تعریف خود کی ہے۔ اس سے زیادہ اس کی ذات اور صفات کے بارے میں جاننا ناممکن ہے۔ ہر مذہب کا پیروکار اپنی دین کے الہامی بنیادوں پر خدا کی ذات کو سمجھنے کی کوشش کرتا ہے۔ اسلام میں اس علم کے لیے "الٰہیات اسلامیہ Islamic Theology" کی اصطلاح استعمال ہوتی ہے۔ اس علم کا مقصد خدا کی ذات صفات و کمالات پر بحث کرنا ہے۔ اس طرز کے مباحث نے مسلمان کو قرآن کی تفہیم اور اس پر عمل کرنے سے دور کر کے جھگڑے میں مبتلا کر دیا ہے۔ مثلاً اللہ کی صفات اس ذات کا حصہ ہیں یا ذات سے الگ، حضورؐ نور ہیں یا بشر۔ سوال یہ ہے کہ کیا بشریت کے موضوعات ختم ہو گئے ہیں کہ اللہ کی ذات اب مطالعے کا موضوع بن گیا ہے؟ سب سے اہم بات یہ ہے کہ اس قسم کے مباحث وقت کے ضیاع کے علاوہ اور کچھ بھی نہیں۔ شاید یہی وجہ ہے کہ اقبال ؔعلم الٰہیات کے منفی پہلوؤں کو دیکھتے ہوئے اسے نظام ابلیس کا شاخسانہ اور مسلمانوں کے زوال کی ایک اہم وجہ سمجھتے ہیں۔

چنانچہ وہ عمل سے بے گانہ اور فرقہ پرستی کا شکار ہیں۔ مسلم امت کا جو تصور اقبال نے پیش کیا فرقہ پرستی اس کے لیے باعث موت ہے۔ ملت کی اخوت میں فرقہ واریت، نسلی امتیاز، وطن پرستی جیسے عناصر زہر گھولتے ہیں اور زوال امت کی بنیادی وجوہات میں سے ایک یہ ہے کہ مسلمانوں میں اتحاد نہیں ہے۔ جس کا حکم کتاب الہٰی سے ثابت ہے کہ اللہ کی رسی کو مضبوطی سے پکڑے رکھو اور تفرقے میں نہ پڑو۔ پروفیسر محمد منور "ایقانِ اقبال" میں لکھتے ہیں:

> "ملت کی قوت اس کی روحانی یک جہتی ہے۔ یہ روحانی یک جہتی توحید و رسالت پر استوار ہے اس عقیدے کا مختصر ترین اظہار مگر بھرپور اقرار کلمہ طیبہ ہے۔ لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ۔ ایک خدا، ایک رسول، ایک کتاب، ایک کلمہ۔ اسی پر ملت کا سارا نظام، ربط، قاعدہ، اخلاق رویہ اور آہنگ مبنی ہے۔"(22)

اگر ان شرائط پر ہم اپنا تجزیہ کریں تو از خود جواب مل جائے گا کہ ہم بہ حیثیت قوم کہاں کھڑے ہیں۔ زوال پذیر مسلم معاشرے پہ طاری جمود کا توڑ مذکورہ نظم ہی کے بعض اشعار میں پوشیدہ ہے۔ "شرع پیغمبریؐ" کا نفاذ ہی مسلمانوں کو محکومی و غلامی سے آزاد کرا سکتا ہے۔ عصرِ حاضر کا تقاضا ہے کہ نظامِ شریعت

قائم ہو۔آمریت،ملوکیت،جمہوریت اور اشتراکیت جیسے نظامِ سیاست میں مسلم امت کی بقا کے راستے مفقود ہیں۔شرعِ پیغمبریؐ کا نفاذ کیوں ضروری ہے ؟اس سوال کاجواب نظم کے آخری اشعار میں پوشیدہ ہے۔

الحذَر! آئینِ پیغمبر سے سَو بار الحذَر
حافظِ ناموسِ زن، مرد آزما، مرد آفریں
موت کا پیغام ہر نوعِ غلامی کے لیے
نے کوئی فُغفور و خاقاں، نے فقیرِ رہ نشیں
کرتا ہے دولت کو ہر آلودگی سے پاک صاف
مُنعموں کو مال و دولت کا بناتا ہے امیں
اس سے بڑھ کر اور کیا فکر و عمل کا انقلاب
پادشاہوں کی نہیں، اللہ کی ہے یہ زمیں! (23)

یقین کی دولت سے محروم مسلم امت کی نجات قرآن کریم کی تفہیم اور شریعت محمدیؐ کے نفاذ ہی میں ہے۔

حاصل مقالہ یہ ہے کہ علامہ اقبالؔ بندہ مومن کے زوال کے اسباب میں مغربی نظام سیاست کو ابلیس کی ایک چال سمجھتے ہیں۔اس نظام کی تقلید میں غرق مسلمان شریعت محمدیؐ کے نفاذ میں ناکام ہوگئے ہیں۔لہذاان میں طرح طرح کی خرابیاں پیداہوگئی ہیں،جس نے آج کے مسلمان کو بے عمل بنا دیاہے۔57اسلامی ممالک ذہنی وفکری طورپر مغرب کے غلام بن گئے ہیں۔اغیاران پر حکمرانی کر رہے ہیں۔اسلامی مملکتوں میں اللہ نے ہر طرح کی نعمتوں کی بارش کی ہوئی ہے،مگر مسلمان اس کے باوجود بے دست وپاہیں۔ان پر ہر طرف سے جنگ مسلط کی گئی ہے۔اس ناگفتہ بہ حالت سے نکلنے کاواحد حل قرآن حکیم اور شریعت محمدیؐ کی پیروی ہی ہے ناکہ ابلیسی نظام کا تتبع۔

نظم کے ڈرامائی عناصر،ابلیس اور اس کے مشیروں کے مکالموں نے نظم کی نوعیت کو تمثیلی بنادیاہے۔تمثیل عربی زبان کا لفظ ہے جس کے معنی مثال یا نمونہ بنا کر پیش کرنے کے ہیں۔انگریزی میں اس کے لیے Allegory کی اصطلاح استعمال ہوتی ہے۔ ڈاکٹر گیان چند جین Allegory کی وضاحت کچھ اس طرح سے کرتے ہیں: "Allegory دو یونانی لفظوں سے مرکب ہے Allos بمعنی دوسرا اور Agoria بمعنی بولتے ہوئے یعنی جس میں ایک بات کہہ کر دوسری مرادلی جائے۔"(24)ادب پر اس کا اطلاق اس طرح سے ہوتا ہے کہ ایک کردار دوسرے کردار کی تفہیم اور نمائندگی کرتا ہے۔تمثیل میں مجاز کو حقیقت کے معنوں میں یا حقیقت کو مجاز کے معنوں میں پیش کیا جاتا ہے۔ہر بڑاادیب اور شاعر اپنے حسیات کی پیکر تراشی کے لیے تمثیل سے کام لیتا ہے۔اس طرح سے دیکھا جائے تو تخلیقی ادب میں تمثیل کا کردار بڑااہم اور جان دار ہے۔تماثیل کو برتنے کا رجحان صرف ادب ہی میں نہیں بلکہ انسان کی عملی زندگی میں بھی اس فنی حسن سے بڑاکام لیا جاتا ہے جس کی اہم مثال خدا کے وجود کو مختلف مذاہب میں مجسم کر

کے پوجنے کا عمل ہے۔علامہ اقبالؒ کے مقاصد چوں کہ جلیل ہیں، وہ اپنی شاعری کے ذریعے مسلم امت کو ایک مستحکم پیغام دینا چاہتے ہیں۔اس لیے اپنے خیالات کی ترسیل کے لیے انہوں نے تماثیل سے بہ قدر شوق کام لیا ہے۔ بات دل سے نکلے اور اثر کر ڈالے اس مقصد کے لیے تماثیل کا برتنا کامیاب حربہ ہے۔انسانیت اور بالخصوص مسلم امہ کو مغرب کے متعارف کردہ سیاسی نظام، جمہوریت، صحرانوردی کے فوائد، زندگی کیا ہے اور مسلمانوں کی زبوں حالی کی وجوہات بتانے کے لیے نظم "خضر راہ" میں حضرت کی تمثیل گھڑنا بہت ضروری تھا۔ان سوالات کے منطقی جواب دینے کے لیے حضرت خضر کی ذات سے بڑھ کر کوئی نہیں ہو سکتا تھا۔اسی طرح مرد مومن کے صفات عالیہ خصوصاً درویشی و فقر، وسعت نظر، حلال کا تصور، ماورائے زمان و مکاں، بہادری، بلند پروازی اور خلوت نشینی کی تفہیم کے لیے شاہین سے بڑھ کر کوئی تمثیل نہیں ہو سکتی تھی تو اقبالؒ نے اپنی شاعری میں بارہا اس تمثیل کا استعمال کیا ہے۔ حرام خوری اور کاہلی کے لیے گدھ کی تمثیل، اطاعت و تابع داری کا درس دینا ہو تو غیر مرئی مخلوقات میں جبرئیل اور تکبر و نافرمانی کی مثال دینی ہو تو ابلیس کی تمثیل برتنا، یہ اقبالؒ کا خاص اندازِ شاعری ہے۔ نظم "ابلیس کی مجلس شوریٰ" کے ڈرامائی عنصر نے قارئین کی دلچسپی کو بڑھانے میں اہم کردار ادا کیا ہے۔ڈاکٹر رفیع الدین ہاشمی رقم طراز ہیں:

> "زیر مطالعہ نظم ایک طرح کی تمثیل ہے۔ابلیس اس تمثیل کا سب سے اہم کردار ہے۔اس کے مشیروں کی حیثیت تمثیل میں حصہ لینے والے کرداروں کی ہے۔ علامہ اقبال نے بعض افکار و خیالات کو مؤثر طریقے سے پیش کرنے کے لیے کئی ڈرامائی وسیلوں سے کام لیا ہے۔"(25)

نتائج

اس تحقیق سے مندرجہ ذیل نکات ابھر کر سامنے آئے ہیں۔

1. اس تحقیق سے یہ نتیجہ اخذ ہوتا ہے کہ ابلیس انسانیت کی فلاح کے ضمن میں روا رکھے گئے دنیاوی امور میں دلچسپی نہیں رکھتا سوائے مرد مومن کے بیداری ایمان کے۔ وہ چاہتا ہے کہ مرد مومن کا ایمان سویا رہے تا کہ ابلیسی نظام قائم و دائم رہے۔
2. ابلیس ایک سفاک اور منفی کردار کے طور پر سامنے آتا ہے اور علائق دنیاوی کے تمام منفی رویے ابلیسیت ہی کی علامت ہیں۔
3. سرمایہ دارانہ نظام انسانیت اور روحانیت کی بقا کے لیے موت ہے اور ابلیسی نظام کا سب سے مضبوط مہرہ ہے۔
4. جمہوری نظام حکومت، جس میں انسانیت کی فلاح ممکن ہو سکتی تھی مگر جمہوریت بھی آمریت کا ہی ایک تسلسل ہے۔
5. بہ حیثیت امت مسلمانوں کو اگر اپنی بقا عزیز ہے تو انہیں ابلیسی نظام کی چالوں کو سمجھنا ہو گا اور قرآن اور شریعت محمدیؐ پر عمل پیرا ہونا ہو گا۔

مزید تحقیق کے لیے موضوعاتی تعین

"ابلیس کی مجلس شوریٰ" بہ لحاظ موضوع متنوع نظم ہے نیز فنی لحاظ سے بھی گوناگوں خصوصیات کی حامل ہے۔اس نظم کے موضوعات سے مزید تحقیق کی راہیں ہموار ہو سکتی ہیں۔ مثلاً

- اقبال کی تمثیلی نظموں کا اجمالی جائزہ
- اقبال کی شاعری میں مکالماتی بیانیہ تکنیک
- اقبال کی نظموں میں ڈرامائی تکنیک کا تحقیقی مطالعہ
- عالمی سیاسی بیداری میں علامہ اقبال کا کردار
- اقبال کی اردو شاعری میں جمہوریت، آمریت، فسطائیت اور ملوکیت کا بہ طور موضوع تناسب
- نظم ابلیس کی مجلس شوری میں متذکرہ اشخاص کی تعلیقات
- جمہوریت کی فریب کاریاں: کلام اقبال کی روشنی میں
- اسلامی اور غیر اسلامی معاشی تصورات کا تقابلی جائزہ: فکر اقبال کے تناظر میں
- جدید سیاسی تصورات اور اسلامی نظام سیاست: تقابل و تجزیہ (اقبالیات کے تناظر میں)
- اقبال کی طویل نظموں میں نظم "ابلیس کی مجلس شوری" کا مقام
- شر بہ مقابلہ خیر نظم "ابلیس کی مجلس شوری" کے تناظر میں
- اقبال کا پسندیدہ نظام سیاست، شریعت محمدیؐ کا نفاذ
- سیاسی قیادت کا محور و مرکز "مرد مومن"
- مسلم امت کا زوال، اجتہاد دور حاضر کی اہم ضرورت
- زوال امت بہ وجہ تقدیر نیست

حوالہ جات

1. عبدالسلام ندوی، اقبال کامل، (لاہور: تاپرنٹرز اپریل 2017ء) ص110

2علامہ ڈاکٹر محمد اقبال، زبور عجم، (لاہور: لالہ گوراندتہ مل کپور آرٹ پرنٹنگ ورکس، اپریل 1944ء، طبع اول جون 1927ء طبع دوم اپریل 1944ء) ص249

3. ایضاً، ص258

4. علامہ ڈاکٹر محمد اقبال، کلیات اقبال: حصہ ارمغان حجاز، (لاہور: اسد نیئر پرنٹرز، 2009ء) ص173

5. غلام رسول مہر، مطالب ضرب کلیم، (نئی دہلی: اعجاز پبلشنگ ہاؤس، 2006ء) ص209

6. ڈاکٹر علامہ محمد اقبال، کلیات اقبال: حصہ ارمغان حجاز، (لاہور: اسد نیئر پرنٹرز، 2009ء) 173

7. ایضاً، حصہ ضرب کلیم، ص158

8. ڈاکٹر یوسف حسین خان، روح اقبال، (لاہور: آئینہ ادب چوک مینار 1963ء) ص446

9. ڈاکٹر علامہ محمد اقبال، کلیات اقبال، حصہ ارمغان حجاز، (لاہور: اسد نیئر پرنٹرز، 2009ء) ص198

10. ایضاً، حصہ ضرب کلیم، ص47

11. ڈاکٹر ظہیر احمد صدیقی، علامہ اقبال اور فارسی زبان و ادب (لاہور: اکرم پریس، 2012ء) ص200

12. ڈاکٹر گیان چند جین، اردو میں تمثیل نگاری، مشمولہ، اردو نثر کا فنی ارتقا، مرتبہ، ڈاکٹر فرمان فتح پوری، (لاہور، گنج شکر پریس، 2012ء) ص195

13.ڈاکٹر رفیع الدین ہاشمی،اقبال کی طویل نظمیں فکری وفنی مطالعہ،(لاہور،سنگ میل پبلی کیشنز،2014ء)ص233
14.ڈاکٹر علامہ محمد اقبال،کلیات اقبال حصہ ارمغان حجاز،(لاہور:اسد نیئر پرنٹرز،2009ء)ص172
15.ایضاً،ص172۔
16-ڈاکٹر خواجہ حمید یزدانی،شرح اسرار ور موز،(لاہور:سنگ میل پبلی کیشنز،2011ء)ص252۔
17-ایضاً،ص255۔
18.ڈاکٹر علامہ محمد اقبال،کلیات اقبال حصہ ارمغان حجاز،(لاہور:اسد نیئر پرنٹرز،2009ء)ص178۔
19.ڈاکٹر رابعہ سرفراز،جہات فکر اقبال،(فیصل آباد،روہی بکس،2017ء)ص144۔
20.شبلی نعمانی،علم الکلام اور الکلام،(کراچی،مسعود پبلشنگ ہاؤس،1964ء)ص13۔
21.سید علی عباس جلال پوری،اقبال کا علم کلام،(لاہور،عوامی پریس لمیٹڈ،جولائی1972ء)ص21۔
22.ڈاکٹر خلیفہ عبدالحکیم،حکمت رومی،(لاہور،آرکیو پرنٹرز،بار سوم1981ء)ص39۔
23.امام احمد رضا خان بریلوی،کنزالایمان فی ترجمۃالقرآن،آیت3۔4،(لاہور،ضیاءالقرآن پبلی کیشنز،)ص1011۔
24.پروفیسر محمد منور،ایقان اقبال،(لاہور:اقبال اکادمی پاکستان،طبع دوم مارچ1984ء)،ص133۔134۔
25.ڈاکٹر علامہ محمد اقبال،کلیات اقبال حصہ ارمغان حجاز،(لاہور:اسد نیئر پرنٹرز،2009ء)ص179۔178۔

ماٰخذ

1.احمد رضا خان،امام،بریلوی،کنزالایمان فی ترجمۃالقرآن،لاہور:ضیاءالقرآن پبلی کیشنز،سن ندارد
2.اقبال،علامہ ڈاکٹر محمد،کلیات اقبال اردو،لاہور:اسد نیئر پرنٹرز،2009ء
3.اقبال،علامہ ڈاکٹر محمد،زبور عجم،لاہور:لالہ گوراندتہ مل کپور آرٹ پرنٹنگ ورکس،طبع دوم اپریل1944ء
4.خلیفہ عبدالحکیم،ڈاکٹر،حکمت رومی،لاہور:آرکیو پرنٹرز،بار سوم1981ء
5.خواجہ،حمید یزدانی،ڈاکٹر،شرح اسرار ورموز،لاہور:سنگ میل پبلی کیشنز،2011ء
6.رابعہ سرفراز،ڈاکٹر،جہات فکر اقبال،فیصل آباد:روہی بکس،2017ء
7.رفیع الدین ہاشمی،ڈاکٹر،اقبال کی طویل نظمیں فکری وفنی مطالعہ،لاہور:سنگ میل پبلی کیشنز،2014ء
8.شبلی نعمانی،علم الکلام اور الکلام،کراچی:مسعود پبلشنگ ہاؤس،1964ء
9.ظہیر احمد صدیقی،ڈاکٹر،علامہ اقبال اور فارسی زبان وادب،لاہور:اکرم پریس،2012ء
10.عبدالسلام ندوی،اقبال کامل،لاہور:تاپا پرنٹرز اپریل2017ء
11.علی عباس،سید،جلال پوری،اقبال کا علم کلام،لاہور:عوامی پریس لمیٹڈ،جولائی1972ء
12.غلام رسول مہر،مطالب ضرب کلیم،نئی دہلی:اعجاز پبلشنگ ہاوس،2006ء
13.گیان چند جین،ڈاکٹر،اردو میں تمثیل نگاری،مشمولہ،اردو نثر کا فنی ارتقا،مرتبہ،ڈاکٹر فرمان فتح پوری،لاہور:گنج شکر پریس،2012ء
14.محمد منور،پروفیسر،ایقان اقبال،لاہور:اقبال اکادمی پاکستان،طبع دوم مارچ1984ء
15.یوسف حسین خان،ڈاکٹر،روح اقبال،لاہور:آئینہ ادب چوک مینار،1963ء